۴۔فضائل درود پر رسالہ

۵۔مولانا حیدر حسن خان کے رسالے 'التعامل' کا اردو ترجمہ

۶۔سندھ کے مشہور عالم مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی کی کتب 'فرائض الاسلام'، 'کشف الرین' اور 'تنقیح الکلام فی مسئلۃ قراۃ خلف الامام' کو کئی کتب کی مدد سے بڑی تحقیق سے مرتب کیا اور ان کا ترجمہ وتشریح کی۔

مولانا سے تلمذ کو ۳۵ برس اور ان کے انتقال کو ۲۵ برس ہو چکے ہیں لیکن ان کی شفقت، محبت، جذبۂ خیرخواہی، بذلہ سنجی اور علمیت کے واقعات بار بار یاد آتے ہیں۔ جب بھی ان کی یاد آتی ہے تو ان کا نصیحت آمیز جملہ بے اختیار یاد آجاتا ہے جس کا ذکر اوپر گزر چکا۔ دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش مولانا زندہ ہوتے تو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان سے عرض کرتا کہ آپ نے برسوں پہلے مجھے اپنے ہاتھوں سے کام کرنے کی نصیحت کی تھی۔ اس کے بعد میں نے بہت سے کام اپنے ہاتھوں سے کرنا سیکھے اور اب بھی سیکھ رہا ہوں لیکن میں نہ پہلے تھا نہ اب بڑا ہوں بلکہ بڑے تو حقیقت میں آپ ہیں کہ آپ کے ایک جملے نے میری زندگی کا رخ بدل دیا۔ ساتھ ہی مولانا کی جب بھی یاد آتی ہے تو یہ نہ بھولنے والا شعر بھی یاد آتا ہے:

وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

الایّام: مجلس برائے تحقیق اسلامی تاریخ وثقافت، کراچی جلد: ۳، شمارہ: ۱، جنوری۔جون ۲۰۱۲ء

صباء اکبر آبادی: ایک ہمہ جہت شاعر

جاوید اختر بھٹی

صباء اکبر آبادی کا نام اردو شاعری میں اہمیت رکھتا ہے۔ ان کا خاندانی نام خواجہ محمد امیر تھا۔ وہ ۱۴/ اگست ۱۹۰۸ء کو آگرہ (اکبر آباد) میں پیدا ہوئے۔ ۳۰/ اکتوبر ۱۹۹۱ء میں ان کا انتقال ہوا اور سخی حسن کراچی کے قبرستان میں ان کی تدفین ہوئی۔ ان کی اولاد میں پانچ بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔

ان کی ابتدائی زمانے کی ایک غزل کا مطلع یوں ہے۔

سنا ہے تم نے اوروں کا بیاں بھی
کبھی سن لو ہماری داستاں بھی

۱۹۲۷ء میں انہوں نے میٹرک کا امتحان مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے پاس کیا۔ ۳۰/ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں عقیلہ بیگم سے ان کی شادی ہوئی۔ شادی سے دو برس پہلے انہوں نے محکمہ تعلیم میں ملازمت شروع کی۔ دس برس کے بعد ۱۹۴۰ء میں انہوں نے اس ملازمت کو ترک کر کے اپنا کاروبار شروع کیا۔

ستمبر ۱۹۴۷ء میں آگرہ سے براستہ بمبئی سے کراچی آئے۔ کراچی میں کاروبار کا آغاز کیا۔ اس شہر میں مکانوں کی قلت کے پیشِ نظر ایک ہندو ڈاکٹر روچی رام سے اپنے آگرے کے مکان کا تبادلہ کیا۔ یوں کراچی اور حیدر آباد میں قیام کیا۔ انہوں نے کراچی میں کاروبار شروع کیا اور اس کی شاخیں حیدر آباد اور سکھر میں قائم کیں۔ لیکن ۱۹۵۸ء کے بعد کاروبار کی وسعت کم ہوتی گئی۔ آخرکار انہوں نے ۱۹۶۰ء میں محترمہ فاطمہ جناح کے پرائیوٹ سیکریٹری کا عہدہ قبول کیا۔ تین برس تک انہوں نے یہ ذمہ داری نبھائی۔ اس کے بعد ۱۹۶۳ء سے ۱۹۷۴ء تک انجمن اسلامیہ سے وابستہ رہے۔

صباء اکبر آبادی کی صحافتی زندگی کا مختصر جائزہ یوں ہے کہ انہوں نے ۱۹۲۷ء میں ماہنامہ ''آزاد'' (آگرہ) جاری کیا۔ یہ ستمبر ۱۹۳۰ء تک شائع ہوتا رہا۔ ماہنامہ ''منشور'' کی ادارتی ذمہ داری سنبھالی (اس رسالے کے مالک ان کے سسر رعنا اکبر آبادی تھے) صباء کے ایک شاگرد ابوظفر کی زیر اوارت ماہنامہ ''شباب اردو'' ۱۹۳۹ء/۱۹۴۰ء تک جاری رہا۔ اس رسالے میں ان کی مشاورت جاری رہی اور وہ سیف اجمیری کے قلمی نام سے اس میں لکھتے تھے۔ انجمن اسلامیہ نے ماہنامہ ''انجمن'' (کراچی) جاری کیا تو صباء صاحب ۱۹۷۴ء سے ۱۹۷۸ء تک اس کے مدیر رہے۔

جن دنوں صباء صاحب نے ماہنامہ ''آزاد'' جاری کیا انہی برسوں میں انہوں نے انگریزی ناول Tale of two cities کا ترجمہ ''دوشہروں کا قصہ'' کے نام سے کیا۔ جس کا معاوضہ تیس روپے ملا۔

ان کی غزلیات کے تین مجموعے شائع ہوئے۔ (۱) ''اوراق گل'' (۱۹۷۰ء)، (۲) ''ثبات'' (۱۹۷۸ء)، (۳) ''چراغ بہار'' (۱۹۸۳ء)۔ صباء صاحب معروف مرثیہ گو تھے۔ انہوں نے پہلا مرثیہ ''شکست یزید'' کے عنوان سے ۱۹۳۶ء میں لکھا۔ یہ مرثیہ شاہ گنج آگرہ کی سالانہ مجلس میں پڑھا گیا اور چھ روز کے بعد آغا علی حسنین صاحب کے امام باڑے میں منعقد ہونے والی مجلس میں بھی سنایا گیا۔ ان کے مرثیوں کے چھ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ (۱) سربکف، (۲) شہادت (مرتبہ: مشفق خواجہ)، (۳) خوناب، (۴) قرطاس الم، (۵) ذکر وفکر، (۶) سربلند (مرتبہ تاجدار عادل)۔

صباء صاحب نے ۱۹۲۱ء میں رباعیات کا آغاز کیا اور آخری وقت تک یہ سلسلہ قائم رہا لیکن ان کی رباعیات کا مجموعہ شائع نہیں ہوا۔ نظمیں بھی لکھیں، تاحال منظومات غیر مطبوعہ ہیں۔ حضرت امیر خسرو کی فارسی رباعیات کا ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ حافظ شیرازی کی تمام رباعیات کا ترجمہ کیا۔ حافظ اور غالب کی فارسی غزلوں، عربی کے منتخب قصائد اور منظومات کا ترجمہ، شاہ لطیف کی منتخب ابیات کا ترجمہ، اور پشتو سے امیر حمزہ شنواری کی غزلوں کا ترجمہ کیا۔ دیوان غالب کی تضمین کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ کام ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۸ء تک، دس برس میں مکمل کیا۔ قومی اور ملی نظمیں لکھیں۔ نعت سرور کونین لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ نعت کے دوشعر دیکھیے۔

صباء کہاں تھی بھلا قدرت سخن مجھ کو
ہر ایک شعر ہے عطائے ادب کی طرح

پڑھتا رہوں ہر وقت صباء نعتِ محمدؐ
سینے میں مچلتی رہے تکبیر ہمیشہ

صباء اکبر آبادی کا پہلا نعتیہ مجموعہ ''دستِ دعا'' کے نام سے شائع ہوا دیگر زیرِ طبع کتب کی فہرست یوں ہے۔

۱۔حزرِجاں (دوسرا نعتیہ مجموعہ)، ۲۔ باب العلم (حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قصائد)،
۳۔ دلیلِ آفتاب، ۴۔ ماتم (سلام اور عزائیہ کلام)، ۵۔مجلس حسینؓ (مراثائی رباعیات کا مجموعہ)

یہ ساری تمہید اس لیے ہے کہ پروفیسر مامون ایمن کی کتاب ''ضیاء اکبر آبادی۔ ایک ہمہ جہت شاعر'' شائع ہوئی ہے۔ مامون ایمن کا مختصر تعارف یوں ہے۔وہ ۱۴رمئی ۱۹۴۱ء الٰہ آباد (یو۔پی انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے بہاولپور، لاہور اور نیویارک میں تعلیم حاصل کی۔ پروفیسر مامون ایمن گزشتہ ۴۳ برسوں سے نیویارک میں مقیم ہیں۔ وہ انگریزی ادب کے استاد ہیں۔ اس کتاب میں پروفیسر مامون نے صباء کی شاعری کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔ تین مضامین صباء کی غزل کے حوالے سے ہیں۔ پروفیسر مامون لکھتے ہیں کہ ''صباء صاحب کی غزل ایک مخصوص تہذیب کی اقدار اور روایات کا احاطہ کرتی ہے۔ اس تہذیب میں زبان اور بیان کی پاسداری اصول ہائے حیات زندگی میں پوری طرح شامل ہے۔ اس پاسداری میں ترنگ بھی ہے اور آہنگ بھی۔ یوں صباء صاحب اپنے عہد کے تاریخ ساز بھی ہیں اور تاریخ گو بھی، یہی عناصر ان کے اسلوب غزل گوئی کو انفرادی بناتے ہیں۔ یہی انفرادیت صباء صاحب سے اعلان کرواتی ہے۔

حیرت کدۂ حسن میں ہم سب ہیں تماشا
جو ہے وہ یہاں نقش بہ دیوار ہے ، بابا ''۔

نعت گوئی کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ''صباء صاحب کے ہر سانس اور ہر قدم کو بلا تذبذب اعتراف ہے کہ رب خالق کائنات ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ ہر شے، ہر ذی جان کا وہی مالک بھی ہے اور حاکم بھی، وہ مدہوش کو ہوش میں لاتا ہے۔ وہ بحیثیت ساقی پیاسوں کی تشنگی مٹاتا ہے۔ تمام نعمتیں اسی کے حوالے اور نام سے میسر آتی ہیں۔ وہی چار سو ہے۔ اسی کی وجہ سے دل دھڑکتا ہے''۔

اسی کے علاوہ پروفیسر مامون نے صباء اکبرآبادی کی شاعری کا مختلف حوالوں سے تجزیہ کیا ہے۔ ان کے موضوعات یہ ہیں۔ ''صباء اکبرآبادی کی مذہبی رباعیات''۔ ''صباء اکبرآبادی اورفن مرثیہ گوئی ایک مختصر جائزہ''۔ ''غالب کی غزلوں پر صباء اکبرآبادی کی تضمین نگاری''۔ ''صباء صاحب کی ملی نظمیں''۔ ''خیام و غالب کی فارسی رباعیات کا اردو رباعیات میں ترجمہ''۔ اور اسی مضمون کے آخر میں صاحب مضمون (مامون ایمن) نے ایک رباعی صباء صاحب کی نذر کی ہے۔ اعتراف کاوش کے طور پر۔

خیام بھی ، غالب بھی ہیں فارس والے
چہ خوب ، کھلے ان سے زباں کے لالے
ایمن کا یہ کہنا ہے کہ ہاں اردو میں
مفہوم رباعی کے صباء نے ڈھالے

صباء اکبرآبادی قادرالکلام شاعر تھے۔ وہ کسی بھی صنف میں بہت آسانی سے، بہت اعلیٰ کہہ لیتے تھے۔ اس کی وجہ ان کی فنی ریاضت تھی، جو ایک زمانے پر محیط تھی۔ تیسرا انہیں عظیم شعراء کی صحبت میسر آئی جس نے ان کے فن میں نکھار پیدا کیا۔

صاحب کتاب ''عرضداشت'' کی ابتدائی سطروں میں ہی صباء صاحب سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ''بعض تحریریں ذہن سے نہیں دل سے مربوط ہوتی ہیں۔ اس کتاب میں شامل تحریریں دل سے مربوط ہیں، جن کا میں مداح ہوں''۔ صاحب کتاب کی خوبی یہ ہے کہ وہ خود بھی شاعر ہیں اور بقول سلطان جمیل نسیم ''وہ کسی نظم کی کتاب پر مضمون لکھیں یا تبصرہ تحریر کریں۔ عروضی نقطۂ نظر سے بھی اسے پرکھتے ہیں''۔

یہ درست ہے مامون ایمن نے اس کتاب میں کئی جگہ عروضی تجزیہ بھی کیا ہے۔ اس کتاب میں صباء اکبرآبادی کے حوالے سے تحسین اور تفہیم یکجا ہے۔ یوں ہم صباء اکبرآبادی کے فنی سفر کو سمجھتے ہیں۔